© rasailojaraid.com

تدبر قرآن - تفسیروں میں ایک منفرد تفسیر

محمد عنایت اللہ سبحانی

(۱)

مولانا امین احسن اصلاحی رحمۃ اللہ علیہ کی بلند و بالا اور قد آور شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ میدان علم و تحقیق کے ماہر شہسوار اور ملت کے لیے باعث صد افتخار تھے۔ تدبر قرآن کی شکل میں انھوں نے علوم و معارف کا جو گنج گراں مایہ چھوڑا ہے، علمی دنیا کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتی۔

دنیا میں ایک سے ایک تفسیریں لکھی گئیں۔ ہر زبان میں لکھی گئیں اور نہ جانے کتنی لکھی گئیں، لیکن تدبر قرآن کی اپنی الگ شان اور اس کا اپنا ایک مقام ہے۔

اس تفسیر کی عظمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اسے دو ایسی عظیم شخصیتوں سے نسبت حاصل ہے جنھوں نے اپنی زندگی کی ساری بہاریں قرآن پاک پر غور و تدبر کے لیے وقف کردی تھیں۔ اور اس طرح وقف کردی تھیں کہ ان کی ہر تحریر میں قرآن پاک کا ہی جلوہ نظر آتا، اور اس کے ساز سے بس ایک ہی نغمہ سنائی دیتا ہے۔ جب کہ دوسرے مفسرین کے ہاں عموماً یہ چیز اس درجہ میں نہیں پائی جاتی۔

دوسرے مفسرین نے قرآن پاک کی تفسیریں تو لکھیں، لیکن ایسا نہ تھا کہ انھوں نے تدبر قرآن یا خدمت قرآن کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرلیا ہو اور اس طرح فارغ کرلیا ہو کہ ان کے دل و دماغ کی تمام طاقتیں صرف اور صرف تدبر قرآن کے لیے وقف ہوگئی ہوں اور ان کی ہر بات اور ہر تحریر میں قرآن پاک کا ہی نغمہ گونجتا ہوا نظر آتا ہو۔

مولانا اصلاحی نے اپنی عمر عزیز کتاب الٰہی کے مطالعہ و تحقیق میں صرف کردی۔

ان کا اپنا بیان ہے کہ انھوں نے ایک ایک سورہ پر ڈیرے ڈالے ہیں اور ایک ایک آیت پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فکری مراقبہ کیا ہے۔ پھر اس طویل جگر سوزی اور صبر آزما غواصی کے نتیجہ میں علم و تحقیق کے جو قیمتی موتی ہاتھ آئے، وہ سارے موتی انھوں نے اس تفسیر کے صفحات میں محفوظ کر دیے۔

دوسری عظیم الشان شخصیت جس سے اس تفسیر کو نسبت حاصل ہے، وہ امام حمید الدین فراہی کی ہے، جو مولانا اصلاحی کے بزرگ استاذ اور روحانی مربی تھے، جنھوں نے اپنی عمر عزیز کے چالیس سال بحر قرآن کی غواصی میں صرف کیے اور اپنی گراں قدر قرآنی تحقیقات کی بدولت ترجمان القرآن کے لقب سے نوازے گئے۔ خوش قسمتی سے مولانا اصلاحی، جو امام فراہی کے تلمیذ خاص تھے، ان کے بیش بہا قرآنی علوم کے وارث ہوئے۔ اس طرح ان علوم و معارف کا بھی بڑا حصہ اس تفسیر کے اوراق میں محفوظ ہو گیا۔

جماعت مفسرین میں غالباً امام فراہی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تفسیر لکھنے سے پہلے علم تفسیر کو خود قرآن پاک کی روشنی میں باقاعدہ مدوّن کیا۔ اس کے اصول و قواعد کو محکم علمی بنیادوں پر مرتب کیا۔ پھر انھی قرآنی اصولوں کی روشنی میں تفسیر قرآن لکھنے آغاز کیا، مگر ابھی چند ہی منزلیں طے کی تھیں، کہ ان کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا۔ اس طرح یہ عظیم کام ناتمام رہ گیا اور یہ علمی دنیا کے لیے بہت بڑا خسارہ تھا!

مولانا اصلاحی نے جو فکر فراہی کے دلدادہ اور امام فراہی کے علمی جانشین تھے، اس علمی خسارے کی زبردست چوٹ اپنے دل پر محسوس کی اور اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے مضطرب ہو گئے۔ توفیق الٰہی نے ان کی دست گیری کی اور انھوں نے اللہ کا نام لے کر اس دشوار گزار وادی میں قدم رکھ دیا، پھر اس عزم و جوش کے ساتھ اس کی منزلیں طے کیں، کہ برسوں اپنے پیروں کے چھالے بھی گننے کا ہوش نہ رہا۔ اس طرح بحمد اللہ یہ عظیم کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا اور بہت خوبی کے ساتھ انجام پایا۔

اس تفسیر میں مولانا اصلاحی نے شروع سے آخر تک اس بات کا اہتمام کیا کہ امام فراہی کے قرآنی فکر اور قرآنی منہج کی بھرپور نمایندگی ہو اور ان کی جو انمول قرآنی تحقیقات ہیں، ان سے یہ تفسیر پوری طرح مزیّن ہو۔ اس طرح یہ تفسیر ''تدبر قرآن'' نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف مولانا اصلاحی کی گراں قدر قرآنی تحقیقات اور قیمتی افادات کا گلدستہ ہے، بلکہ امام فراہی کے قرآنی اصولوں اور قرآنی نکات کا بھی بے بہا گنجینہ ہے۔

ان دونوں بزرگوں کی قرآنی تحقیقات اور قرآنی افادات نے مل کر تفسیر تدبر قرآن کو علمی حیثیت سے بہت مالا مال کردیا اور اسے ایسی خصوصیات کا حامل بنادیا، جو عموماً دوسری تفسیروں میں نہیں پائی جاتیں۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔**

ہم ذیل میں اس کی وہ خصوصیات بیان کریں گے، جو اسے تفسیروں میں ایک منفرد تفسیر قرار دیتی ہیں۔

پہلی خصوصیت:

تدبر قرآن کی ایک نہایت اہم خصوصیت نظم آیات کی دریافت ہے۔ یہ سورتوں اور آیتوں کے نظم سے بحث کرتی ہے۔ یہ قرآنی مضامین کے باہمی رشتوں کو واضح کرتی ہے۔ یہ نظم کی گہرائیوں کو ٹٹولتی، اور اس میں چھپی ہوئی بجلیوں کا سراغ لگاتی ہے۔

بلاشبہ نظم آیات سے دیگر مفسرین نے بھی بحث کی ہے، کچھ مفسرین نے تو جزوی طور پر بحث کی ہے جیسے امام طبری، امام زمخشری، امام رازی اور امام شوکانی۔ اور کچھ مفسرین نے اسی اصول پر پوری پوری تفسیریں لکھی ہیں۔ جیسے امام بقاعی اور شیخ علی مہائمی۔ لیکن ان حضرات اور مولانا اصلاحی کے انداز تفسیر میں بڑا فرق ہے۔ مولانا اصلاحی کے ہاں آمد ہے اوروں کے ہاں آورد ہے۔ مولانا اصلاحی کے ہاں برجستگی ہے، اوروں کے ہاں تکلف اور زبردستی ہے۔ مولانا اصلاحی کے ہاں تسنیم و سلسبیل کی روانی ہے، اوروں کے ہاں طبیعت کو بے کیف کردینے والی گرانی ہے۔ مولانا اصلاحی کا تصور نظم بہت ہی وسیع اور جامع ہے اوروں کا تصور نظم بہت ہی تنگ اور محدود ہے۔ ہم اپنی اس بات کو کچھ مثالوں سے واضح کریں گے۔

سورۂ بقرہ میں ''اصحاب السبت'' کا ذکر آیا ہے۔ **ولقد علمتم الذین**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتدوا منكم في السبت فقلنا لهم كونوا قردة خاسئين۔(البقرہ:۶۵)

اس کے متصل بعد ذبح بقرہ کا قصہ بیان ہوا ہے۔وإذ قال موسى لقومه إن الله يأمركم ان تذبحوا بقرة ۔الخ۔ (البقرہ:۶۷)

ان دونوں قوموں میں کیا مناسبت ہے کہ ان دونوں کو ایک ہی جگہ یکے بعد دیگرے بیان کیا گیا ہے؟

امام بقاعی اور نظم آیات:

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام بقاعی فرماتے ہیں:

''یوم السبت'' ان پر اس وقت فرض کیا گیا، اور اس کے سلسلے میں اس وقت سختی کی گئی، جب انھوں نے جمعہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور خود یوم السبت کا مطالبہ کیا۔ تو سب سے زیادہ مناسب یہی تھا کہ اس کے بعد قصۂ بقرہ بیان کیا جائے، جس کے سلسلے میں ان پر اس وقت سختی کی گئی جب انھوں نے اس کے معاملے میں سرکشی کی اور ایسا نہیں کیا کہ جو گائے بھی میسر ہو اسے ذبح کر دیں۔

مناسبت کا ایک پہلو یہ بھی بیان کیا جا سکتا ہے، کہ ان کے ہاں یوم السبت کی بے حرمتی کی جو صورتیں تھیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی تھی، کہ جن مچھلیوں سے انھیں منع کیا گیا تھا، ان میں سے لاتعداد مچھلیاں انھوں نے ہلاک کیں، اور قصۂ بقرہ میں وہ ایک جان کو ہلاک کرنے سے گریز کر رہے تھے، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا، لہذا اس کے بعد ہی اسے بیان کر دیا گیا۔

ایک انتہائی بہترین مناسبت یہ بھی ہے کہ بندر اور گائے دونوں کے قصوں میں انسان کی حالت بدل دی گئی، جب اس کے گوشت کے ساتھ کسی بے زبان جانور کا گوشت مل گیا، پہلے قصہ میں مچھلی کے گوشت کے اثر سے بولتے ہوئے انسان کو گونگا کر دیا گیا اور دوسرے قصے میں گائے کے گوشت سے اسے گویائی عطا کر دی گئی، جب کہ موت کی وجہ سے وہ گویائی سے محروم ہو چکا تھا''۔[۱]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اصلاحی کا موقف:

نظم آیات کا ایک یہ انداز ہے جو امام بقاعی کے ہاں ملتا ہے۔ دوسرا وہ انداز ہے جو مولانا اصلاحی کے ہاں ملتا ہے، وہ قصہ اصحاب السبت اور قصہ ذبح بقرہ کو اس نقض عہد کی دو مثالیں قرار دیتے ہیں، جس کا ذکر اس سے اوپر والی آیت میں ہوا ہے، جو اس طرح ہے:

ثم تولیتم من بعد ذلک فلو لا فضل اللہ علیکم ورحمتہ لکنتم من الخاسرین (البقرہ:۶۴)

"پھر اس کے بعد تم نے اپنے عہد و میثاق سے روگردانی کی، اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نامرادوں میں سے ہو چکے ہوتے"

مولانا اصلاحی پہلے قصے- قصۂ اہل سبت- کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ اس نقض عہد کی ایک مثال ہے، جس کا اجمالی ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔ بنی اسرائیل کے لیے سبت (ہفتہ) کا دن عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس دن ان کو کام کاج اور سیر وشکار وغیرہ کی ممانعت تھی۔ لیکن انھوں نے اپنے آپ کو شریعت الٰہی کی ان پابندیوں سے آزاد کرنے کے لیے بہت سے شرعی حیلے ایجاد کر لیے۔ یہاں تک کہ سیر و شکار وغیرہ کی بھی بہت سی راہیں کھول لیں۔ اس آیت میں ان کی اسی قسم کی حرکتوں کی طرف اشارہ ہے۔ اور چونکہ یہ باتیں ان کے درمیان شہرت رکھتی تھیں اس وجہ سے قرآن نے اس کی طرف ایک معلوم و معروف حقیقت کی طرح اشارہ کر دیا ہے۔ [۲]

آگے وہ دوسرے قصے قصۂ ذبح بقرہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

یہ یہود کے نقض عہد کی دوسری مثال بیان ہو رہی ہے۔ [۳]

تلاش نظم کی ان دونوں کوششوں میں جو فرق ہے، وہ بالکل واضح ہے، پہلی کوشش میں تکلف ہے، آورد ہے، زبردستی اور کھینچا تانی ہے، جب کہ دوسری کوشش میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مختلف اشکالات:

پہلی کوشش خلاف عقل اور خلاف نص قرآن ہے۔ کسی مچھلی کا گوشت کھالینے سے نہ آج تک کوئی گونگا ہوا ہے، نہ عقلی لحاظ سے اس کا کوئی امکان ہے اور نہ قرآن پاک سے اس کی کوئی تائید ہوتی ہے۔

اس کے برعکس قرآن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ اہل سبت اپنے فسق اور اپنے عتوّ (سرکشی) کی وجہ سے بندر بنادیے گئے، نہ کہ مچھلی کھالینے کی وجہ سے! ارشاد الہٰی ہے:

فلما نسوا ما ذكروا به أنجينا الذين ينهون عن السوء و أخذنا الذين ظلموا بعذاب بئيس بما كانوا يفسقون . فلما عتوا عمّا نهوا عنه قلنا لهم كونوا قردة خٰسئين (الاعراف:۱۶۵-۱۶۶)

''سو جب وہ بھول گئے وہ چیز جس کی انہیں یاددہانی کرائی گئی تھی، تو ہم نے نجات دیا ان لوگوں کو جو برائی سے روکتے تھے۔ البتہ جنھوں نے ظلم کی روش اختیار کررکھی تھی، انھیں دبوچ لیا عبرت ناک عذاب میں، ان کے فسق کے نتیجہ میں۔ تو جب انھوں نے سرتابی کی اس چیز سے جس سے انھیں منع کیا گیا تھا، ہم نے انہیں کہا: ہوجاؤ بندر، ذلیل ونامراد''

اسی طرح اصحاب السبت نے یوم السبت میں لاتعداد مچھلیاں ہلاک کیں، اس کا نہ کوئی تاریخی ثبوت ہے، نہ قرآن میں اس کا کوئی اشارہ ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اصحاب السبت نے جمعہ کو ماننے سے انکار کردیا تھا۔ تب ان پر یوم السبت فرض کیا گیا۔

صحیح بات یہ ہے کہ انھوں نے عملاً جمعہ کا احترام نہیں کیا۔ جمعہ کا پورا دن ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے عبادت کا دن تھا۔ اس روز ان کے لیے طلب معاش کی ساری سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ مگر انھوں نے اس دن کو عبادت کے لیے فارغ رہنے کے بجائے سنیچر کو اپنا مذہبی دن قرار دے لیا۔ اور جمعہ کے روز پوری بے خوفی اور ڈھٹائی سے شکار کرنے لگے۔

مختصر یہ کہ سنیچر کا دن انھوں نے خود اختیار کیا تھا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم نہیں ہوا تھا۔

لہذا اس مفروضے پر جس نظم کی عمارت کھڑی ہوگی، وہ ناپائدار ہوگی۔ اس میں کوئی مضبوطی نہیں ہوگی۔

اس کے برعکس مولانا اصلاحی نے نظم کا جو پہلو اختیار کیا، اس میں اس طرح کی کوئی کمزوری یا ناہمواری نہیں ہے، وہ بہت ہی صاف، واضح اور طبیعت کو اپیل کرنے والا ہے۔

علامہ علی مہایمی اور نظم آیات:

ایک دوسری مثال علامہ علی مہایمی کی تفسیر سے ملاحظہ ہو:

سورہ بقرہ آیات (۲۲۸-۲۳۷) میں طلاق اور متاع (یعنی مطلقہ عورت کو کچھ تحفے تحائف دے کر باعزت طریقے سے رخصت کرنا) کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ پھر یہ آیت آئی ہے: حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین۔ (البقرہ:۲۳۸)

اس کے بعد بیوہ اور تمام مطلقہ عورتوں کے لیے متاع کی تاکید آئی ہے۔ پھر بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کا ذکر ہے۔

ألم تر إلى الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف حذر الموت۔ الخ (البقرہ:۲۴۳)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طلاق پائی ہوئی عورتوں کے لیے متاع کے ذکر کے بعد آیت: حافظوا علی الصلوات والصلوٰۃ الوسطی کا کیا موقع ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے علامہ مہایمی فرماتے ہیں:

ثم أشار إلى أن إساءة التطليق وإن لم تكن بدعة و أدى فيها المتعة أو المهر لا يذهب إلا باكتساب الحسنات سيّما الصلاة، لا كيف كانت، بل بالمحافظة ... وهذه المحافظة في غير شدّة الخوف۔ ؁

پھر اس چیز کی طرف اشارہ کیا کہ طلاق اگر چہ غیر شرعی طریقے سے نہ ہو، اور اس میں متعہ اور مہر کی ادائیگی ہوگئی ہو، پھر بھی اس کی برائی دور نہیں ہوسکتی، مگر نیکیاں کرنے سے۔ خاص طور سے نماز پڑھنے سے، جیسی تیسی نماز سے نہیں، بلکہ اس کی محافظت کرنے سے۔ اور اس محافظت کا مطالبہ اس وقت ہے، جب کہ شدت خوف کی حالت نہ ہو۔

پھر اس کے بعد بنی اسرائیل کا جو واقعہ بیان ہوا ہے، اس کا کیا موقع ومحل ہے؟ بیوہ اور مطلّقہ عورتوں کے لیے متاع کی تاکید سے اس کا کیا تعلق ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ مہایمی فرماتے ہیں:

ثم أشار إلى أنكم لو منعتم المهر والمتعة بعد ما أمر الله بهما، لم يبعد أن يسلبكم الاموال والحياة التي تجمع لها، و إن أعطيتم لم يبعد أن يعوّضها لكم، بل لا يبعد منه تعويض الحياة، فقد عوّضها قوما غير محصورين (ألم تر) أيها المنكر لذلك (إلى) أهل داوردان؟۔ ؁

”پھر اس بات کی طرف اشارہ کیا، اگر تم مہر اور متعہ کی ادائیگی نہیں کرتے، جب کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کا حکم دیا ہے، تو بعید نہیں کہ وہ تمہارے اموال سلب کرلے۔ اور وہ زندگی بھی سلب کرلے، جس کے لیے مال جمع کیا جاتا ہے۔ اور اگر تم ان کی ادائیگی کرتے ہو تو بعید نہیں کہ تمھیں اس کا عوض مل جائے، بلکہ یہ بھی بعید نہیں کہ اس کے بدلے میں تمھیں زندگی سے مالا مال کردے۔ کہ وہ اتنے لوگوں کو اس سے مالا مال کرچکا ہے، جنھیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا تو نے دیکھا نہیں اے وہ شخص جو اس حقیقت کا انکار کرتا ہے،
اہل داور دان کو؟"
پھر آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

ثم أشار إلى أنه لا يبعد من الله أن يأمركم بإعطاء المهر والمتعة وقد أمركم ببذل المهج إذ قال لكم: قاتلوا في سبيل الله واعلموا أن الله سميع عليم. [۶]

"پھر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اللہ سے بعید نہیں ہے کہ وہ تمہیں حکم دے مہر اور متعہ ادا کرنے کا، جب کہ اس نے تمہیں حکم دیا ہے اپنی جانیں قربان کر دینے کا، جیسا کہ اس کا فرمان ہے: **وقاتلوا في سبيل الله واعلموا أن الله سميع عليم**"۔

تفسیر مہایمی میں جس انداز کا نظم ملتا ہے، اس کی یہ تین مثالیں ہیں۔

یہ نظم کی وہ قسم ہے جسے ہم نظم برائے نظم کا نام دے سکتے ہیں۔ یعنی اس سے کسی حد تک محض یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک کی آیات میں نظم موجود ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر اگر ہم یہ چاہیں کہ اس سے اعجاز قرآن، یا عظمت قرآن یا بلاغت قرآن کا کوئی پہلو سامنے آئے، تو اس طرح کی کوئی چیز یہاں نہیں ملتی۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اس طرح کے نظم سے عظمت قرآن کا کوئی پہلو سامنے نہیں آتا، بلکہ اس کے نتیجے میں بہت سی ایسی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، جن کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔

چند اشکالات:

طلاق چاہے شرعی طریقے سے دی گئی ہو، اور اس میں مہر اور متعہ کی ادائیگی ہو، پھر بھی وہ ایک برائی ہے۔ اور اس برائی کو دور کرنے کا نسخہ نمازوں کی محافظت ہے، یہ کیسی بے بنیاد بات ہے؟

طلاق سے متعلق جو آیات قرآن پاک میں آئی ہیں، ان سے کہیں دور دور تک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اشارہ نہیں نکلتا ہے طلاق کوئی برائی ہے۔ بلکہ بسا اوقات تو طلاق مستحب، بلکہ واجب اور فرض ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی بیوی إن من أزواجکم و أولادکم عدوا لکم فاحذروھم کی مصداق ہو، تو کیا اسے طلاق دینا بھی برائی ہے؟

پھر علامہ مہایمی کی اس بات کی کیا توجیہ ہوگی؟

پھر اس بات میں کتنا وزن ہے کہ اگر تم مہر اور متعہ کی ادائیگی نہیں کرتے تو اس کا اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اموال اور تمہاری زندگی تم سے سلب کرلے۔ اور اگر تم مہر اور متعہ کی ادائیگی کرتے ہو تو امید ہے کہ وہ تمہیں مال بھی دے گا، اور زندگی کی دولت سے بھی مالا مال کرے گا۔ پھر کیا تعلق ہے اس بات کا اس واقعہ سے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے آیت: ”الم تر إلی الذین خرجوا من دیارھم وھم ألوف حذر الموت“ میں؟ کیا یہ واقعہ جن لوگوں کے ساتھ پیش آیا تھا، ان کا جرم یہ تھا کہ وہ مہر اور متاع مطلقات کی ادائیگی نہیں کرتے تھے؟ اور جب وہ مہر اور متاع مطلقات کی ادائیگی کرنے لگے تو انہیں دوبارہ زندگی عطا کردی گئی؟

پھر متاع مطلقات کی تاکید کے بعد بنی اسرائیل کا وہ واقعہ بیان ہوا ہے، جس کی طرف ألم تر إلی الذین خرجوا من دیارھم- الخ کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت آئی ہے: وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا أن اللہ سمیع علیم۔

اب درمیانی واقعہ کو چھوڑ کر قاتلوا فی سبیل اللہ کے حکم کو متاع مطلقات سے لے جا کر جوڑنا، اور اس کی اس انداز سے تفسیر کرنا کہ ”اللہ سے بعید نہیں کہ وہ تمہیں حکم دے مہر اور متاع ادا کرنے کا، جب کہ اس نے تمہیں حکم دیا ہے اپنی جانیں قربان کردینے کا“ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جسے تکلف محض کے علاوہ کوئی اور نام دینا مشکل ہے۔

مولانا اصلاحی نے بھی ان آیات کے باہمی ربط پر گفتگو کی ہے، مگر اس میں کہیں تکلف کا نام نہیں۔ وہ آیت: حافظوا علی الصلوات الخ کا ماقبل و مابعد سے ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت حافظوا علی الصلوات کا موقع ومحل:

احکام وقوانین کا باب جو آیت ۱۶۳ سے توحید اور اس کے بعد نماز اور زکوۃ کے ذکر سے شروع ہوا تھا اب ان آیات پر ختم ہو رہا ہے۔ اس مجموعۂ آیات کی ترتیب اس طرح ہے کہ ایک آیت جو اصل خاتمۂ باب کی حیثیت رکھتی ہے خوف اور امن ہر طرح کے حالات میں نمازوں کی حفاظت سے متعلق ہے اور دو آیتوں میں بیوہ اور مطلقہ سے متعلق، جن کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا تھا، بعض ضمنی ہدایات ہیں، جو بعد میں نازل ہوئیں۔ یہ دونوں آیتیں خاتمۂ باب کے ساتھ ملحق کر دی گئیں، تاکہ کلام میں ان کی ترتیب ہی سے واضح ہو جائے کہ یہ آیات اصل احکام کے بعد بطور وضاحت نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان کے ساتھ کذلک یبین اللہ لکم آیاته کا ٹکڑا لگا کر ان کے توضیحی آیات ہونے کی طرف اشارہ بھی فرما دیا، تاکہ نظم کلام کے طالب کو ربط کلام کے سمجھنے میں کوئی زحمت نہ پیش آئے۔

گویا خاتمۂ باب کی اصل آیت حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی والی آیت ہے۔

اب اس باب کے آغاز پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ اس کے آغاز میں توحید کے ذکر کے بعد احکام شریعت کے سلسلے میں سب سے پہلے آیت ۱۷۷ میں نماز اور ساتھ ہی زکوۃ کا ذکر آتا ہے۔

یہاں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اس باب کا خاتمہ بھی نماز ہی کے ذکر پر ہوا ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس دین میں جو اہمیت نماز کی ہے، وہ دوسری کسی بھی چیز کی نہیں ہے۔ ساری شریعت کا قیام و بقا اسی کے قیام و بقا پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو شریعت کی اقامت اور اس کی محافظت کے لیے ایک حصار اور ایک باڑھ کی حیثیت دی ہے۔ جو شخص اس کی حفاظت کرتا ہے، وہ گویا پوری شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور جو شخص اس میں رخنے پیدا کر دیتا ہے، وہ، جیسا کہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے، باقی دین کو بدرجۂ اولی ضائع کر دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں یہ نکتہ بھی ملحوظ رہے کہ شروع باب میں جس نماز کا ذکر ہے، وہ امن و اطمینان کے حالات کی پنج وقتہ معروف نماز ہے اور یہاں امن واطمینان کی نماز کے علاوہ خوف وخطرے کی نماز کا بھی ذکر ہے۔ یہ نماز کے احکام کے بیان میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ ایک تدریجی ارتقا ہوا ہے۔

جس وقت باب کے آغاز کی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جنگ و جہاد کے حالات نہیں تھے، لیکن تحویل قبلہ کے بعد سے آپ نے پڑھا کہ جنگ و جہاد کے احکام نہایت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اصلی سلسلۂ کلام جو چل رہا تھا، تو وہ جہاد اور انفاق ہی کا تھا۔ دوسرے مسائل تو، جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں، ضمناً پیدا ہو گئے ہیں۔

حالات کی یہ تبدیلی متقاضی ہوئی کہ امن کی نماز کے ساتھ خوف اور خطرے کی نماز کا بھی ذکر کر دیا جائے۔ چنانچہ پہلی صورت کی نماز کا ذکر اقامت صلوٰۃ کے لفظ سے کیا ہے اور اس دوسری حالت کی نماز کا محافظت ''علی الصلوات'' کے الفاظ سے فرمایا۔

بیان کے ان دونوں اسلوبوں میں شدت اہتمام کا جو فرق نمایاں ہے وہ اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہو سکتا۔ ے

قصۂ بنی اسرائیل کا موقع ومحل:

پھر ان آیات کے بعد بنی اسرائیل کا جو تاریخی واقعہ بیان ہوا ہے: **ألم تر إلى الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف** ۔الآیۃ۔ اس کا نظم اور اوپر کی آیات سے اس کا ربط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہاں ذرا پیچھے مڑ کر سلسلۂ کلام کو ذہن میں پھر تازہ کر لیجیے۔ فصل ۲۷ میں ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ اصل بیان تو بیت اللہ کے تعلق سے جہاد وانفاق کا ہو رہا تھا، لیکن انفاق کی بحث نے یتیموں کی صلاح وفلاح اور ان کی ماؤں کے ساتھ نکاح کا سوال سامنے کر دیا۔ اور اس طرح نکاح وطلاق سے متعلق بعض مناسبِ وقت مسائل کے بیان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے ایک تقریب پیدا ہوگئی۔

قرآن کا طریقہ یہی ہے کہ جب کسی مسئلے کے بیان کے لیے تقریب پیدا ہوجاتی ہے، تو اصل سلسلۂ بیان کو روک کر، اس مسئلے سے متعلق اتنی باتیں بیان کردیتا ہے، جتنی باتوں کے لیے وقت کے حالات تقاضا کررہے ہوتے ہیں اور پھر اصل سلسلۂ بیان شروع ہوجاتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی صورت ہے۔ نکاح وطلاق سے متعلق مناسب وقت مسائل بیان کرچکنے کے بعد اصل بیان جہاد وانفاق کا پھر شروع ہوگیا۔

آگے کے مطالب کی ترتیب یوں ہے کہ پہلے بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا حوالہ دیا ہے، کہ وہ ایک بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنے دشمنوں کے ڈر سے اپنا وطن چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس طرح انھوں نے اپنے لیے اخلاقی اور سیاسی موت اختیار کرلی۔

اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے سے مقصود مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ انھوں نے مکے سے مدینے کو جو ہجرت کی ہے، تو یہ موت اور دشمن سے فرار نہیں ہے، بلکہ کفر اور فتنے سے فرار ہے۔ اور اصل مقصد اس سے جانیں بچانا نہیں، بلکہ اللہ کے دین کی نصرت اور اس کی راہ میں جہاد کے لیے منظم ہونا ہے۔ اس تمہید کے بعد مسلمانوں کو جہاد وانفاق پر ابھارا ہے۔"[8]

یہ ہے ان آیات کے نظم و ربط کے سلسلے میں مولانا اصلاحی کا انداز فکر۔ بالکل سادہ، بے تکلف اور فطری انداز۔ ایک ایسا انداز جس کے اندر معنویت بھی ہے اور دل کشی بھی۔ بلندی بھی ہے اور گہرائی بھی۔ اور جو ان تمام الجھنوں اور کمزوریوں سے پاک ہے جو علامہ مہایمی کے ہاں پائی جاتی ہیں۔

ہمارا یہ دعوی نہیں کہ مولانا اصلاحی کی تلاش نظم کی یہ کوشش کمزوریوں سے یکسر پاک ہے۔ یا اس میں کہیں کوئی الجھن نہیں پائی جاتی، البتہ یہ ضرور ہے کہ مجموعی حیثیت سے وہ ایک کامیاب کوشش ہے۔ ربط آیات کا جو انداز اور جو معیار یہاں پایا جاتا ہے، وہ کہیں اور نہیں ملتا۔ اور یہ سرتا سر ان کے بزرگ استاذ امام حمید الدین فراہی کی دین اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کے اصول تفسیر اور انداز تفسیر کی برکت ہے۔ ان کے تفسیری اصول ہیں ہی اس قدر ٹھوس اور محکم، کہ جو بھی انہیں مشعل راہ بنائے گا، نظم کلام کی باریکیوں تک پہنچنا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔

دوسری خصوصیت:

تدبر قرآن کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ قرآن پاک کی کتنی ہی گتھیاں ایسی ہیں، جو اس تفسیر سے ہی کھلتی ہیں۔ کتنی ہی مشکلات ایسی ہیں، جو اس تفسیر سے ہی حل ہوتی ہیں۔ کتنی ہی آیات ایسی ہیں، جن کا صحیح مفہوم اس تفسیر سے ہی روشن ہوتا ہے۔

قارئین کو ہوسکتا ہے کہ ہمارے اس دعوے پر تعجب ہو، لیکن مثالیں سامنے آجانے کے بعد ہمیں یقین ہے، یہ تعجب اعتراف ''تدبر'' میں تبدیل ہو جائے گا۔

سورۂ آل عمران کی ایک آیت ہے:

لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين. ومن يفعل ذلك فليس من الله في شئ إلا ان تتقوا منهم تقاة. ويحذركم الله نفسه وإلى الله المصير۔ (آل عمران:۲۸)

☆ مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں:

''مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں۔ جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں یہ معاف ہے کہ تم ان کے ظلم سے بچنے کے لیے بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ۔ یعنی اگر کوئی مومن کسی دشمنِ اسلام جماعت کے چنگل میں پھنس گیا ہو، اور اسے ان کے ظلم و ستم کا خوف ہو تو اس کو اجازت ہے کہ اپنے ایمان کو چھپائے رکھے اور کفار کے ساتھ بظاہر اسی طرح رہے کہ گویا انہی میں کا ایک آدمی ہے، یا اگر اس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو گیا ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے وہ کفار کے ساتھ دوستانہ رویہ کا اظہار کرسکتا ہے۔ حتی کہ شدید خوف کی حالت میں جو شخص برداشت کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اسے کلمۂ کفر تک کہہ جانے کی رخصت ہے۔''[۹]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

☆ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق، مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو تم ان سے بچاؤ''۔

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی:

''باید کہ دوست نگیرند مسلمان کافراں را بجز اہل ایمان، و ہر کہ ایں کند پس نیست در چیزے ازان خدا، مگر آنکہ دفع شر ایشاں کند بنوعے از حذر کردن''۔

☆ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی:

''نہ پکڑیں مسلمان کافروں کو رفیق مسلمان چھوڑ کر۔ اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اللہ کا کوئی نہیں، مگر یہ کہ تم پکڑا چاہو ان سے بچاؤ''۔

☆ مولانا اشرف علی تھانوی:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کو (ظاہراً یا باطناً) دوست نہ بناویں، مسلمانوں کی دوستی سے تجاوز کر کے۔ جو شخص ایسا کام کرے گا، سو وہ شخص اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔''

☆ مولانا محمد جونا گڑھی:

''مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی کسی حمایت میں نہیں، مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح بچاؤ مقصود ہو''

☆ مولانا شبیر احمد عثمانی:

''جیسے سورۂ انفال میں ''ومن یولھم یومئذ دبرہ'' سے ''متحرفا لقتال'' اور ''متحیزاً إلی فئة'' کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرف و تحیز کی حالت میں حقیقتاً فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورۃً ہوتا ہے۔ یہاں بھی ''إلا أن تتقوا منھم تقاة'' کو حقیقت موالات نہیں، فقط صورت موالات سمجھنا چاہیے، جس کو ہم مدارات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نام سے موسوم کرتے ہیں"۔ ۱۰

یہ تو ہوئیں ہماری نمایندہ اردو تفسیریں اور اردو ترجمے۔ رہیں عربی تفاسیر تو ان کا معاملہ بھی اردو تفاسیر سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ وہ سب بھی اسی مفہوم کے گرد گردش کرتی ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

☆ امام زمخشری:

"رخص لهم في موالاتهم إذا خافوهم- والمراد بتلك الموالاة محالفة و معاشرة ظاهرة و القلب مطمئن بالعداوة و البغضاء۔" ۱۱

"اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کافروں سے موالات کرنے کی اجازت دی ہے، جب کہ ان سے انہیں خطرہ لاحق ہو۔ اس موالات سے مراد یہ ہے وہ بظاہر ان کے ساتھ مل جل کر رہیں، اوران کا ساتھ دیں مگر دل میں ان کی نفرت اور عداوت بیٹھی ہوئی ہو۔"

☆ امام ابن کثیر:

أي: إلا من خاف في بعض البلدان والأوقات من شرّهم ، فله أن يتّقيهم بظاهره لا بباطنه ونيّته. قال البخاري، قال الحسن: التقيّة إلى يوم القيامة۔ ۱۲

"یعنی کہیں کسی وقت اگر کوئی ان سے خطرہ محسوس کرے تو اسے اس کی اجازت ہے کہ ظاہری طور پر ان کے ساتھ تقیہ کرلے، نہ کہ دل کی رغبت اور آمادگی سے۔ بخاری کہتے ہیں، کہ حسن بصری نے فرمایا: تقیہ کی اجازت قیامت تک لیے ہے"۔

☆ امام شوکانی:

وفي ذلك دليل على جواز الموالاة لهم مع الخوف منهم ولكنها تكون ظاهراً لا باطناً۔ ۱۳

"اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں سے اگر کوئی اندیشہ ہو تو ان کے ساتھ دوستی (موالات) کی جا سکتی ہے۔ لیکن یہ دوستی اوپر کی دوستی ہوگی، اندر کی نہیں۔"

☆ علامہ رشید رضا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوله: "إلا أن تتقوا منهم تقاة " استثناء من أعم الأحوال، أى: إن ترک موالاة الكافرين على المؤمنين حتم فى كل حال إلا فى حال الخوف من شئ تتّقونه منهم فلكم حينئذٍ أن توالوهم بقدر ما يتّقى به ذلک الشئ، لأن درء المفاسد مقدّم على جلب المصالح ۔ وهذه الموالاة تكون صوريّة لأنها للمؤمنين لا عليهم ۔ [۱۴]

"إلا أن تتقوا منهم تقاة " یہ عام حالات سے استثناء ہے۔ یعنی کافروں کے ساتھ عدم موالات اہل ایمان پر ہر حال میں واجب ہے۔ اِلا یہ کہ خطرہ لاحق ہو تمہیں کسی ایسی چیز کا جس سے تم بچنا چاہتے ہو۔ تو ایسی صورت میں تمہیں اجازت ہے کہ تم ان سے موالات کرو، بس اس حد تک کہ اس متوقع خطرے سے بچ سکو۔ کیونکہ مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔ اور یہ موالات بس ظاہری طور پر ہوگی۔ کیونکہ یہ مومنین کے فائدے کے لیے ہوگی، ان کے نقصان کے لیے نہیں۔"

یہ بطور مثال چند مشہور و مستند عربی تفاسیر کے حوالے ہیں۔ ورنہ ہماری معلومات کی حد تک جملہ عربی تفاسیر آیت مذکورہ کا یہی مفہوم لکھتی ہیں۔

متعدد اشکالات:

یہاں ٹھہر کر جب ہم آیت کے اس مفہوم پر غور کرتے ہیں تو مختلف اشکالات سامنے آتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اگر کافروں سے کوئی خطرہ ہونے کی صورت میں ان سے رشتۂ موالات قائم کرنے کی اجازت ہے، تو پھر اس آیت میں مسلمانوں کو روکا کس بات سے گیا ہے؟

(۲) ایک مومن کے بارے میں تو شروع سے ہی یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کافروں کو سچ مچ ولی بنائے گا۔ وہ اگر ان کے ساتھ موالات کا رشتہ رکھے گا بھی تو محض ظاہری طور پر۔ اسی طرح اس کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کسی خوف اور خطرے کے بغیر بھی انہیں اپنا ولی بنائے گا۔ پھر اس آیت میں وعید کس بات پر آئی ہے؟۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) جو لوگ کافروں کو ولی بناتے تھے، وہ اپنے اس عمل کی یہی توجیہ کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے "نخشى أن تصيبنا دائرة" پھر ان کی کیا غلطی تھی کہ وہ اس عتاب اور اس ملامت کا نشانہ بنے۔

يا يها الذين آمنوا لا تتخذوا اليهود والنصارى أولياء بعضهم اولياء بعض ۔ ومن يتولهم منكم فإنه منهم إن الله لا يهدى القوم الظالمين۔ فترى الذين فى قلوبهم مرض يسارعون فيهم يقولون نخشى ان تصيبنا دائرة فعسى الله أن يأتى بالفتح أو أمر من عنده فيصبحوا على ما أسرّوا فى أنفسهم نادمين۔ ويقول الذين آمنوا أهؤلاء الذين أقسموا بالله جهد أيمانهم إنهم لمعكم حبطت أعمالهم فأصبحوا خاسرين۔ (المائدۃ:۵۱-۵۳)

"اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، یہود و نصاریٰ کو ولی نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ اور جو انہیں ولی بنائے گا، وہ انہی میں شمار ہوگا۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تو تم دیکھو گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہ وہ ان کے ہاں دوڑ دوڑ کے جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ہمیں خطرہ ہے کہ ہم مصیبت میں پڑ جائیں گے۔ تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لے آئے، یا اپنے ہاں سے کوئی فیصلہ بھیج دے، پس اپنے دلوں میں جو کچھ وہ چھپائے ہوئے ہیں اس پر انہیں پچھتانا پڑے۔ اور اہلِ ایمان کہتے ہیں، کیا یہی لوگ ہیں جنھوں نے کڑی کڑی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں! ان کے سارے اعمال اکارت گئے اور وہ نامراد ہوئے"۔

(۴) شروع آیات میں کافروں کے ساتھ اظہار موالات سے نہیں منع کیا گیا ہے، کہ یہ استثناء "الا أن تتقوا منهم تقاة" بوقت ضرورت اظہار موالات کی رخصت پر دلالت کرے۔ بلکہ یہ ممانعت انہیں ولی بنانے یا ان کے ساتھ رشتۂ موالات قائم کرنے کی ہے۔ تو مشہور و معروف تاویل کے لحاظ سے یہ استثناء انہیں ولی بنانے یا ان کے ساتھ رشتۂ موالات قائم کرنے کی رخصت پر دلالت کرے گا۔ اور یہ ایسی بات ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ کوئی کہتا ہے، نہ کہہ سکتا ہے!

(۵) معروف تأویل کے لحاظ سے آیت کا یہ ٹکڑا ''إلا أن تتقوا منهم تقاة'' اپنے ماقبل و مابعد سے بالکل بے تعلق ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس آیت سے پہلے یہ دو آیتیں آئی ہیں:

قل اللهم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعزّ من تشاء وتذلّ من تشاء بیدک الخیر إنک علی کل شیٔ قدیر ۔ تولج اللیل فی النهار وتولج النهار فی اللیل وتخرج الحیّ من المیّت وتخرج المیّت من الحیّ و ترزق من تشاء بغیر حساب۔ (آل عمران:۲۶-۲۷)

''کہو، اے اللہ، اقتدار کے مالک، تو جسے چاہتا ہے اقتدار سے نواز تا ہے، جس سے چاہتا ہے، اقتدار چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ خیر کی کنجی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بلاشبہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تورات کو دن میں پروتا ہے، دن کو رات میں پروتا ہے۔ مرے ہوئے کو تو زندہ کر دیتا ہے۔ زندہ کو موت کی نیند سلا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس طرح دیتا ہے اور اتنا دیتا ہے کہ وہ اس کے سان و گمان میں نہیں ہوتا''۔

یہ پانچ بڑے بڑے اشکالات ہیں جو سامنے آتے ہیں، اگر آیت کی وہ تأویل کی جائے جو عام مفسرین کے ہاں ہمیں ملتی ہے۔

آیت کی صحیح تأویل:

غالبًا مولانا اصلاحی طبقۂ مفسرین میں وہ پہلے شخص ہیں، جو اس معروف تأویل سے ہٹ کر ایک دوسری تأویل پیش کرتے ہیں، جو ان تمام الجھنوں اور تمام اشکالات سے پاک ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''إلا أن تتقوا منهم تقاة'' (مگر یہ کہ ان سے بچو جیسا کہ بچنے کا حق ہے) تقاةً جس طرح اسی سورہ کی آیت ۱۰۲، اتقوا اللہ حق تقاته میں مفعول مطلق کے طور پر استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوا ہے،اسی طرح یہاں بھی مفعول مطلق ہے، جس سے فعل کی تاکید ظاہر ہو رہی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفّار سے موالات کا تعلق رکھتے ہیں۔ان کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اس قسم کے لوگ، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: ومن یتولھم منکم فإنه منھم، انہی لوگوں کے اندر شامل ہیں، جن سے یہ موالات رکھتے ہیں۔ اللہ اور اعداء اللہ دونوں کے ساتھ بیک وقت دوستی قائم نہیں رکھی جاسکتی۔اللہ سے دوستی کے لیے ضروری ہے کہ ان لوگوں سے اپنا دامن بچا کے رکھو جو اللہ کے،اس کے دین کے اور اس کے وفادار بندوں کے دشمن ہیں۔

یہ جملہ گویا لیس من اللہ فی شیٔ سے استثناء ہے۔یعنی اس نفی سے مستثنیٰ صرف وہی ہیں جو ان کفار کی مخالف اسلام موالات سے اس طرح بچیں، جس طرح اس سے بچنے کا حق ہے۔

اس آیت سے جن لوگوں نے تقیہ کا جواز نکالا ہے، انھوں نے لغت، نظائر قرآن اور سیاق وسباق ہر چیز کو نظر انداز کیا ہے۔لیکن صحیح تأویل واضح ہو جانے کے بعد اب اس کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ [15]

ایک دوسری مثال:

سورۂ انفال کی آیت ہے:

ما کان لنبی أن یکون له أسری حتی یثخن فی الأرض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرة واللہ عزیز حکیم۔ لو لا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما أخذتم عذاب عظیم ۔ (آیات:۶۷-۶۸)

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی ان آیات کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں:

نہیں چاہیے نبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں، جب تک نہ خون کرے ملک میں،تم چاہتے ہو جنس دنیا کی ،اور اللہ چاہتا ہے آخرت،اور اللہ زور آور ہے حکمت والا۔ اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو آپڑتا اس لینے میں بڑا عذاب۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت شیخ سعدی شیرازی، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد جوناگڑھی وغیرہ سارے اردو فارسی مترجمین ان دونوں آیتوں کا ترجمہ اسی انداز سے کرتے ہیں۔

حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی موضح القرآن میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بدر کی لڑائی میں ستر کافر پکڑے آئے۔ حضرت نے مشورہ پوچھا کہ ان کو کیا کریں؟ اکثر مسلمانوں کی مرضی ہوئی کہ مال لے کر چھوڑ دیں اور بعضوں کی مرضی ہوئی کہ سب کو قتل کریں۔ حضرت عمر اور سعد بن معاذ کی یہی مشورت تھی۔ آخر مال لے کر چھوڑ دیا۔ یہ آیت اُتری عتاب کی۔ یعنی نبیوں کو جہاد سے مال سمیٹنا منظور نہیں۔ بلکہ کافروں کی ضد توڑنی۔ وہ بات اسی میں ہے کہ قتل کر دیتے، تا اس کے خوف سے کفر کی ضد چھوڑیں''۔ [۱۶]

مولانا شبیر احمد عثمانی اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بدر کی لڑائی سے ستر کافر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو کر آئے۔ حق تعالیٰ نے ان کے متعلق دو صورتیں مسلمانوں کے سامنے پیش کیں۔ قتل کر دینا یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا، اس شرط پر کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کیے جائیں گے۔ حقیقت میں خدا کی طرف سے ان دو صورتوں کا انتخاب کے لیے پیش کرنا امتحان و آزمائش کے طریقے پر تھا، جیسے ازواج مطہرات کو دو صورتوں میں تخییر دی گئی تھی... آپؐ نے صحابہ سے اس معاملے میں رائے طلب کی۔ ابو بکر صدیق نے فرمایا: یا رسول اللہ یہ سب قیدی اپنے خویش و اقارب اور بھائی بند ہیں۔ بہتر ہے کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ اور جو مال بالفعل ہاتھ آئے، اس سے جہاد وغیرہ دینی کاموں میں سہارا لگے۔ باقی آئندہ سال ہمارے ستر آدمی شہید ہو جائیں تو مضائقہ نہیں۔ درجۂ شہادت ملے گا۔ نبی کریم کا میلان بھی فطری رحم دلی اور شفقت وصلہ رحمی کی بنا پر اسی رائے کی طرف تھا، بلکہ صحابہ کی عام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائے اسی جانب تھی ... حضرت عمر اور سعد بن معاذ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا: یا رسول اللہ! یہ قیدی کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ ان کو ختم کر دیا جائے تو کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے گا۔ ...اور مناسب ہے کہ ان قیدیوں میں جو کوئی ہم میں سے کسی کا عزیز و اقارب ہو، وہ اسے اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورے پر عمل ہوا۔ کیونکہ کثرت رائے ادھر تھی۔ اور خود نبی کریمؐ طبعی رافت و رحمت کی بنا پر اسی طرف مائل تھے....

اس رائے کو اختیار فرمانا وقتی مصالح اور ہنگامی حیثیت سے حق تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ نہ ہوا۔ ما کان لنبي أن يكون له أسرى حتى يثخن في الأرض میں اسی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ایک سخت خطرناک اجتہادی غلطی قرار دی گئی اور جن بعض لوگوں نے زیادہ تر مالی فوائد پر نظر کر کے اس سے اتفاق کیا تھا، ان کو صاف طور پر ''تریدون عرض الدنیا'' سے خطاب کیا گیا....

گویا صحابہ کے مشورے میں کلًا یا جزءًا مالی حیثیت ضرور زیر نظر تھی۔ کسی درجہ میں مالی فوائد کے خیال سے بغض فی اللہ میں کوتاہی کرنا اور اصل مقصد ''جہاد'' سے غفلت برتنا، اور ستر مسلمانوں کے قتل کیے جانے پر اپنے اختیار سے رضا مند ہو جانا صحابہ جیسے مقربین کی شان عالی اور منصب جلیل کے منافی سمجھا گیا۔ اسی لیے ان آیات میں سخت عتاب آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے''۔ [۱۷]

یہ ہے شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تاویل اس آیت کے سلسلے میں۔ اور ہمارے علم کی حد تک یہی تاویل تمام مفسرین نے اختیار کی ہے۔ مگر یہ تاویل اپنے ساتھ اتنے گوناگوں اشکالات رکھتی ہے کہ حیرت ہوتی ہے ان اشکالات کے ہوتے ہوئے اس تاویل کو قبول عام کیونکر حاصل ہو گیا!۔

گوناگوں اشکالات:

(۱) یہ بات کہ حق تعالیٰ نے بدر کے قیدیوں کے سلسلے میں دو صورتیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے سامنے رکھیں، کہ ان میں سے کوئی ایک صورت وہ اختیار کرلیں۔ مسلمانوں نے، جن میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی شامل تھے، وہ صورت اختیار کی جو اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہوئی، اور اس پر وہ سخت عتاب کے مستحق قرار پائے۔ اور اگر پہلے سے نوشتۂ الٰہی نہ ہوتا تو وہ سخت عذاب کی لپیٹ میں آجاتے!!

کیا یہ باتیں قرین قیاس ہیں؟ کیا یہ قرین قیاس ہے کہ نبی ﷺ اور ان کے انتہائی عبقری ساتھیوں کے سامنے دو ایسی صورتیں رکھی جائیں، جن میں سے ایک صورت اللہ تعالیٰ کو انتہائی ناپسند ہو، اور وہ اس کے غضب کی مستوجب ہو، اور نبی ﷺ اور ان کے تمام عبقری ساتھی اسی ناپسندیدہ صورت کی طرف جھک جائیں؟ کیا ایسا کبھی ہوا ہے؟ اور کیا ایسا ہونا قابل تصور ہے؟

پھر کیا دو باتوں میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے کی اجازت مل جائے، اور پھر بندہ کسی ایک بات کو اپنے فہم کے مطابق اختیار کرلے تو وہ سزا کا مستحق قرار پائے گا؟

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی کہ جتنے آدمیوں سے وہ فدیہ لیں گے، اتنی ہی آدمی ان کی فوج کے اگلی جنگ میں شہید ہوجائیں گے، مسلمانوں نے خوشی خوشی یہ شرط منظور کرلی۔

سوال یہ ہے کہ فدیہ کے ساتھ اس شرط کا کیا تک ہے؟ پھر اگر یہ شرط مسلمانوں نے خوشی خوشی منظور کرلی تھی تو غزوۂ احد کے موقع پر شہداء کی اس تعداد سے وہ رنجیدہ اور شکستہ خاطر کیوں ہوئے؟

(۳) مذکورہ دونوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اپنانے کا جو اختیار نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو دیا گیا تھا، کیا یہ بالکل اسی طرح کا اختیار تھا جو ازواج مطہرات کو سورۂ احزاب میں دیا گیا تھا؟ کیا دونوں کی نوعیت ایک تھی؟

اگر دونوں کی نوعیت ایک تھی تو ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ ازواج مطہرات کلام فہمی اور موقع شناسی میں نبی اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور آپ کے تمام عبقری ساتھیوں سے بھی بڑھی ہوئی تھیں، کہ وہ تمام کی تمام متعلقہ تخییر کی منشا سمجھ گئیں۔ اور آپؐ کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھی اس تخییر کی منشا نہیں سمجھ سکے!

(۴) بدر کے موقع پر اگر کچھ لوگوں نے مالی فوائد پر نظر کر کے قبول فدیہ کی رائے سے اتفاق کیا تھا، تو کیا انھوں نے اپنی ذاتی یا شخصی منفعت کو سامنے رکھا تھا؟ کیا مسلم جماعت یا اسلامی فوج کے مالی فائدے کو ملحوظ رکھنا بھی ناپسندیدہ دنیا طلبی کے ضمن میں آئے گا؟ کیا اسے تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ کی ڈانٹ پلائی جائے گی؟

(۵) کیا بدر میں جو کچھ ہوا تھا، اسے بغض فی اللہ میں کوتاہی اور اصل مقصد جہاد سے غفلت کا نام دینا کسی بھی درجہ میں صحیح ہوگا؟ اس طرح کی بات کہنا محتاط سے محتاط لفظوں میں سورج کو چراغ دکھانا ہے!۔

(۶) کیا یہ بات ماننے کی ہے کہ کسی دینی معاملے میں نبیؐ سمیت تمام کبار صحابہ نے کافی بحث وتمحیص کے باوجود غلط فیصلہ کیا، جسے بہت بھاری غلطی قرار دیا گیا اور صحیح بات بس حضرت عمرؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کی سمجھ میں آئی؟ یہ بات ناممکن ہے، صد فیصد ناممکن ہے۔عقلا وشرعا ہر لحاظ سے ناممکن ہے۔

(۷) غزوۂ بدر سے پہلے سورۂ محمد نازل ہوچکی تھی۔اس میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی تھی:

فإذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب، حتی إذا أثخنتموھم فشدّوا الوثاق فإما منّا بعد وإما فداء حتی تضع الحرب أوزارھا ۔(آیت:۴)

تو جب تمہاری کافروں سے مڈبھیر ہو تو ان کی گردنیں ناپو، یہاں تک کہ جب ان کی طاقت توڑ دو تو انہیں قید کرلو۔ بعد میں یا تو ان پر احسان کرکے رہا کردو یا ان سے فدیہ وصول کرو۔ ایسا کرتے رہو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔

اس آیت میں اہل ایمان کو اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ بس دو طریقوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے: یا تو ان پر احسان کر کے انہیں یونہی رہا کر دیا جائے، یا فدیہ لے کر انہیں رہا کر دیا جائے۔

رہی یہ بات کہ جنگ ختم ہو جانے کے بعد جنگی قیدیوں کو ایک لائن میں کھڑا کر کے ایک طرف سے قتل کر دیا جائے، تو یہ چیز قرآنی ہدایات کے بالکل خلاف ہے۔

بدر کے موقع پر نبی ﷺ نے جو کچھ کیا تھا، وہ کوئی اجتہادی یا شورائی فیصلہ نہ تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قانون تھا، جس کے آپؐ پابند تھے۔ سارے مومنین پابند تھے۔ پھر اس کے علاوہ کوئی دوسری شکل آپ کیوں کر اختیار کر سکتے تھے؟

ایک طرف ان آیات کی یہ تاویل ہے جو سارے مفسرین کے ہاں ملتی ہے اور جو ان گوناگوں اشکالات سے گھری ہوئی ہے۔ دوسری طرف مولانا اصلاحی کی تاویل ہے، جو ان تمام الجھنوں اور ان تمام اشکالات سے یکسر پاک ہے۔

آیت کی صحیح تاویل:

ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

”آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے کہ تم نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو، کہ یہ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انھوں نے خوں ریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمہاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔

35

کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مالِ غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خوں ریزی برپا کر دے۔

یہ باتیں تم اس لیے کہتے ہو کہ تم نبی کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہو۔ تمہاری چاہتیں چونکہ یہی کچھ ہیں، تم سمجھتے ہو کہ نبی بھی یہی کچھ چاہتا ہے۔

مولانا اصلاحی مزید فرماتے ہیں:

”تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الآخرۃ“ خطاب قریش سے ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت کا مخاطب مسلمانوں کو اور وہ بھی سید عالم ﷺ اور صدیق اکبر کو ماننے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔ اور بالفرض اس آیت کا مخاطب دل پر جبر کر کے نبیؐ اور صدیقؓ کو تھوڑی دیر کے لیے کوئی مان بھی لے، تو اس کے بعد جو آیت آ رہی ہے اس کا مخاطب نبیؐ اور صدیق کو ماننے کے لیے کوئی دل و جگر کہاں سے لائے!

بہر حال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے۔ اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔

یہاں اسلوب بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے، کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ یہ ہو رہا ہے، یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔

مولانا اصلاحی مزید لکھتے ہیں: 36-

''لولا كتٰب من الله سبق لمسكم فيما أخذتم عذاب عظيم'' یعنی تم نے اتنے ہی پر یہ واویلا برپا کر رکھا ہے حالانکہ یہ تو صرف ایک چرکا ہے، جو تمھیں لگا ہے۔ تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمھیں ایک عذاب عظیم آ پکڑتا، لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا، اس وجہ سے اس نے تمہیں مہلت دے دی۔

''فيما أخذتم'' اُخذ کا لفظ لینے، پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے سب کے لیے آتا ہے۔ یہاں یہ مطلب ہوگا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا، اس کی بنا پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے، لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔ ۱۸

یہ دو مثالیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مثالیں ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی کتنی ہی آیات ایسی ہیں، جن کا صحیح مفہوم اس تفسیر کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وضاحت:

ہم یہ نہیں کہتے کہ ان آیات کا صحیح مفہوم مولانا اصلاحی کے علاوہ آج تک کسی اور نے سمجھا ہی نہیں۔ اللہ جانتا ہے، ہماری یہ منشا قطعاً نہیں۔ کسی قرآنی آیت کا کوئی ایسا مفہوم جسے آج تک کسی نے سمجھا ہی نہ ہو، وہ خود اپنے غلط ہونے کی دلیل ہے۔

ہماری اس گفتگو کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ بہت سی آیات کا صحیح مفہوم موجودہ تفاسیر میں نہیں ملتا۔ لیکن موجودہ تفاسیر میں نہ ملنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ صحیح مفہوم آج تک کسی نے سمجھا ہی نہیں۔ کیونکہ موجودہ تفاسیر پوری امت کی نمایندگی نہیں کرتیں۔ یہ بس ان لوگوں کی نمایندگی کرتی یا کرسکتی ہیں جنھوں نے یہ تفسیریں لکھی ہیں، یا جن کی رائیں ان میں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار اہل علم ایسے ہیں جن کی رائیں ان میں نہیں آسکی ہیں۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ کسی آیت کا صحیح مفہوم موجودہ تفاسیر میں سے کسی میں بھی نہ ہو، لیکن وہ امت کے بے شمار اہل علم اور اصحاب فہم وتفقہ حضرات کی رائے ہو۔

تیسری خصوصیت:

تدبر قرآن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآنی اسالیب کو خاص اہمیت دی گئی ہے اور ان کی روح تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ اس میں بار بار اور جگہ جگہ یہ عنوان سامنے آتا ہے: ''الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت''۔

امام جاراللہ زمخشری بھی اپنی معروف تفسیر ''الکشاف'' میں قرآنی اسالیب سے بحث کرتے ہیں، لیکن اس طرح کے مقامات ان کے ہاں زیادہ نہیں ہیں۔ نیز ان کے ہاں وہ بلندی اور وہ گہرائی بھی نہیں جو مولانا اصلاحی کے ہاں نظر آتی ہے۔

بلاشبہ سید قطب شہید اپنی گراں قدر تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں قرآنی اسالیب پر کافی زور دیتے ہیں۔ وہ ان اسالیب سے کافی محظوظ ہوتے اور اپنے قارئین کو بھی خوب محظوظ کرتے ہیں۔ انھیں بے تکلف اس میدان کا بہترین شہسوار، بلکہ ایک لحاظ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اس فن کا امام کہا جا سکتا ہے۔لیکن ان کا سارا زور تصویر فنی یعنی واقعات یا حقائق کی فنی منظر کشی پر ہوتا ہے، اس کے علاوہ قرآنی اسالیب کی دوسری باریکیاں ان کا موضوع بحث نہیں ہوتیں۔

مولانا اصلاحی کے ہاں تصویر فنی کا یہ خاص پہلو گرچہ بالکل ہی نہیں پایا جاتا، لیکن عمومی حیثیت سے وہ قرآنی اسالیب پر بڑی اچھی بحثیں کرتے ہیں۔اور ان اسالیب پر غور وخوض کے نتیجہ میں ان قرآنی نکات تک بآسانی پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں تک عام طور پر دوسرے لوگ نہیں پہونچ پاتے۔

اپنی بات کی وضاحت کے لیے ہم تدبر قرآن سے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

سورہ بقرہ کی ایک آیت:

سورۂ بقرہ میں حرمت ربٰو کی جو آیات آئی ہیں، انہی کے ضمن میں ایک یہ آیت آئی ہے:وإن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة ، وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون (آیۃ:۲۸۰)اس آیت پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

''اس زمانے میں بعض کم سواد یہ دعوی کرتے ہیں کہ عرب میں زمانۂ نزول قرآن سے پہلے جو سود رائج تھا، یہ صرف مہاجنی سود تھا۔غریب اور نادار لوگ اپنی ناگزیر ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے مہاجنوں سے قرض لینے پر مجبور ہوتے تھے اور یہ مہاجن ان مظلوموں سے بھاری بھاری سود وصول کرتے تھے۔اسی سود کو قرآن نے ربا قرار دیا ہے اور اسی کو یہاں حرام ٹھہرایا ہے۔رہے یہ تجارتی کاروباری قرضے،جن کا اس زمانے میں رواج ہے،تو ان کا اس زمانے میں نہ دستور تھا، نہ ان کی حرمت وکراہت سے قرآن نے کوئی بحث کی ہے۔

ان لوگوں کا نہایت واضح جواب خود اس آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ جب قرآن یہ حکم دیتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست (ذو عسرة) ہو تو اس کی کشادگی (ميسرة

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل ہونے تک مہلت دو، تو اس آیت نے گویا پکار کر یہ خبر دے دی کہ اس زمانے میں قرض لینے والے امیر اور مال دار لوگ بھی ہوتے تھے''۔ ۱۹

مولانا اصلاحی مزید فرماتے ہیں:

''بلکہ یہاں اگر اسلوب بیان کا صحیح صحیح حق ادا کیجیے تو یہ بات نکلتی ہے کہ قرض لین دین کی معاملت زیادہ تر مال داروں ہی میں ہوتی تھی۔ البتہ امکان اس کا بھی تھا کہ کوئی قرض دار تنگ حالی میں مبتلا ہو کہ اس کے لیے مہاجن کی اصل رقم کی واپسی بھی ناممکن ہو رہی ہو، تو اس کے متعلق یہ ہدایت ہوئی کہ مہاجن اس کو مالی حالت سنبھلنے تک مہلت دے۔ اور اگر اصل بھی معاف کر دے تو یہ بہتر ہے۔

اس معنی کا اشارہ آیت کے الفاظ سے نکلتا ہے، اس لیے کہ فرمایا ہے کہ إن كان ذو عسرة فنظرة إلى ميسرة (اگر قرض دار تنگ حال ہو تو اس کو کشادگی حاصل ہونے تک مہلت دی جائے''۔ ۲۰

اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عربی زبان میں ''إن'' کا استعمال عام اور عادی حالات کے لیے نہیں ہوتا بلکہ بالعموم نادر اور شاذ حالات کے بیان کے لیے ہوتا ہے۔ عام حالات کے بیان کے لیے عربی میں ''إذا'' ہے۔ اس روشنی میں غور کیجیے تو آیت کے الفاظ سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ اس زمانے میں عام طور پر قرض دار ذو میسرة (خوش حال) ہوتے تھے۔ لیکن گاہ گاہ ایسی صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ قرض دار غریب ہو، یا قرض لینے کے بعد غریب ہو گیا ہو۔ تو اس کے ساتھ اس رعایت کی ہدایت فرمائی''۔

کاروباری اور تجارتی قرضوں پر جو سود لیا یا دیا جاتا ہے، اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ یہ اس زمانے کا بہت ہی اہم اور سنگین مسئلہ ہے، جس میں عام طور سے علماء کو حیرانی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

کچھ لوگوں نے تو یہ کہہ کر کہ یہ سود ہے ہی نہیں، بے تکلف اسے جائز قرار دیدیا۔

کچھ دوسرے لوگ جو اسے حرام کہتے ہیں، وہ محض اپنی سلامت طبع اور نفاست ذوق کی بنا پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسے حرام کہتے ہیں۔ وہ کوئی ایسی قطعی دلیل نہیں پیش کر پاتے، جس سے فریق ثانی کو قائل یا مطمئن کرسکیں۔ وہ جتنے دلائل بھی پیش کرتے ہیں، وہ خالص قیاس واستدلال سے تعلق رکھتے ہیں، اور قیاس واستدلال میں بہر حال بحث واختلاف کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔

یہاں مولانا اصلاحی نے محض قرآنی اسلوب کی مدد سے کس قدر واضح اور دوٹوک بات کہدی ہے۔ ایک ایسی بات جس کے لیے ہمارے بزرگ علماء کو کوئی محکم دلیل نہیں مل رہی تھی، اس کے لیے انہوں نے ایک ایسی ٹھوس دلیل فراہم کردی، جس نے نص قرآن کی حیثیت اختیار کرلی۔ اس میں کسی کے لیے چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی۔

سورۂ انفال کی ایک آیت:

ایک دوسری مثال ملاحظہ ہو۔ سورۂ انفال کی آیت ہے:

وَمَا كان لنبيّ أن يكون له أسرى۔ (آیت:۶۷)

اس آیت کے اسلوب پر مولانا اصلاحی کا یہ تفسیری نوٹ بڑی اہمیت کا حامل ہے:

''''ما کان '' کا اسلوب بیان الزام اور رفع الزام دونوں کے لیے آسکتا ہے۔ اور قرآن میں دونوں ہی قسم کے مواقع میں یہ اسلوب استعمال ہوا ہے۔ اس امر کا تعین کہ یہ الزام کے لیے ہے یا رفع الزام کے لیے، موقع ومحل، سیاق وسباق، قرینہ اور مخاطب کو پیش نظر رکھ کر کیا جاتا ہے۔

بعینہ یہی اسلوب بیان آل عمران ۱۶۱ میں ہے: وما كان لنبي أن يغلّ ومن يغلل يأت بما غلّ يوم القيامة .

''اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کے ساتھ حاضر ہوگا۔''

ظاہر ہے یہ آیت الزام کے لیے نہیں، بلکہ رفع الزام اور نبی کی تنزیہ شان کے لیے ہے کہ تم نبی پر خیانت کی جو تہمت دھرتے ہو، یہ سورج پر تھوکنے کی کوشش کے مترادف ہے۔ کوئی نبی بھی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ خیانت اور بے وفائی کا مرتکب ہو''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا اصلاحی مزید فرماتے ہیں:

''ٹھیک اسی اسلوب پر آیت زیر بحث میں قریش کی تردید کی گئی ہے کہ تم نبی پر یہ الزام جو لگاتے ہو کہ یہ ہوسِ اقتدار میں مبتلا ہیں، اپنی قوم میں انہوں نے خوں ریزی کرائی، اپنے بھائیوں کو قید کیا، ان کا مال لوٹا، ان سے فدیہ وصول کیا، یہ ساری باتیں تمہاری اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے ہیں۔ کوئی نبی اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ وہ قیدی پکڑنے، فدیہ وصول کرنے اور مال غنیمت لوٹنے کے شوق میں ملک میں خوں ریزی برپا کردے۔''[۲۲]

یہاں اسلوب بیان کی یہ وضاحت اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے، کہ اس سے غفلت کے نتیجہ میں مفسرین کرام کو بڑی حیرانی پیش آئی۔ وہ نہ صرف یہ کہ آیت کے صحیح مفہوم تک نہ پہنچ سکے، بلکہ رسول پاک ﷺ اور آپؐ کے بزرگ اصحاب کے بارے میں بہت سی وہ باتیں لکھ گئے جو بالکل بے اصل ہیں۔ تفصیل اس کی پیچھے گزر چکی ہے۔

سورۂ توبہ کی ایک آیت:

سورۂ توبہ کی ایک آیت ہے:

قل لا تعتذروا لن نؤ من لکم قد نبّانا اللّٰہ من أخبار کم (آیت ۹۴)

اس آیت کے اسلوب بیان پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا اصلاحی رقم طراز ہیں:

''قل یہاں واحد ہے، درانحالیکہ اوپر والے ٹکڑے: **یعتذرون إلیکم إذا رجعتم إلیھم** میں خطاب جمع سے ہے۔ اور بعد میں بھی ''**لن نؤمن لکم**'' اور ''**نبّانا اللّٰہ**'' جمع ہی کے صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ یہ پیغمبر ﷺ کی زبان سے سب مسلمانوں کی طرف سے منافقین کو جواب دلوادیا گیا ہے۔ گویا پیغمبر کی زبان تمام مومنین مخلصین کے دلوں کی ترجمان ہے۔ پیغمبر اور امت کے درمیان جو اعتماد، جو حسن ظن اور جو کامل ہم آہنگی تھی، یہ اسلوب اس کو بھی نہایت لطیف طریقہ سے ظاہر کررہا ہے۔ اور اس میں منافقین پر تعریض کا جو پہلو ہے، وہ بھی نمایاں ہورہا ہے۔[۲۳]''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں واحد اور جمع کے فرق سے مولانا اصلاحی نے جو نکتہ اخذ کیا ہے، وہ بڑا ہی اہم ہے۔ یہ نکتہ سامنے رہے، تو آیت کی معنویّت دو چند اور اس کا لطف دو بالا ہو جاتا ہے۔ عربی زبان کا ذوق رکھنے والے ہی اس نکتہ کی قیمت محسوس کر سکتے اور اس کی داد دے سکتے ہیں۔ یہ نکتہ تدبر قرآن کے علاوہ ہمیں اور کہیں نہیں ملا۔

چوتھی خصوصیت:

تدبر قرآن کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآنی الفاظ کی تحقیق کا خاص اہتمام نظر آتا ہے اور ان پر بصیرت افروز گفتگو ملتی ہے۔ ہر مشکل لفظ پر مولانا ٹھہرتے اور سیر حاصل بحث کرتے ہیں، جس سے اس لفظ کی روح، اور اس کا واضح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔

اسی ذوقِ تحقیق کی یہ برکت ہے کہ بہت سے وہ الفاظ جن کے ترجمے اور مفہوم میں عام مترجمین و مفسرین نے غلطیاں کی ہیں، تدبر قرآن میں ان کی اصلاح ہو جاتی ہے، اور الفاظ کا صحیح صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے۔ یہاں ہم اپنے اس دعوے کو دو مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

سورہ الأعلیٰ کی آیت ہے: **والذی أخرج المرعی فجلعه غثاء أحوی**

اس کا ترجمہ تمام اردو اور فارسی مترجمین اس طرح کرتے ہیں:

شیخ سعدیؒ	:	وآنکہ بیروں آورد گیاہے پس گردانید اوراخشک سیاہ۔
شاہ ولی اللہؒ	:	وآنکہ برآورد گیاہ تازہ را باز ساخت آن راخشک شدہ سیاہ گشتہ۔
شاہ رفیع الدینؒ	:	اور جن نے نکالا چارا، پس کر دیا اس کو کوڑا سیاہ۔
شاہ عبدالقادرؒ	:	اور جس نے نکالا چارا پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔
مولانا تھانویؒ	:	اور جس نے زمین سے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ کوڑا کر دیا۔
مولانا محمود حسنؒ	:	اور جس نے نکالا چارا پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا محمد جوناگڑھیؒ : اور جس نے تازہ گھاس پیدا کی پھر اس نے اس کو (سکھا کر) سیاہ کوڑا کر دیا۔

مولانا مودودیؒ : جس نے نباتات اگائیں پھر ان کو سیاہ کوڑا کرکٹ بنادیا۔

عربی تفاسیر میں بھی اس آیت کا یہی مفہوم ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو: تفسیر ابن جریر، زاد المسیر (امام ابن جوزی)، تفسیر البحر المحیط (امام ابو حیّان)، تفسیر ابن کثیر، فی ظلال القرآن (سید قطب)، تبصیر الرحمٰن (شیخ علی مہایمی)۔

تدبر قرآن میں پہلی بار ہمیں اس رائج مفہوم سے ہٹ کر ''غثاء أحوی'' کا ایک دوسرا مفہوم ملتا ہے۔ اور وہ مفہوم اتنے مضبوط اور محکم انداز میں سامنے آتا ہے کہ طبیعت اس کی طرف لپکتی، اور اسے خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

''غثاء أحوی'' کی تحقیق:

ملاحظہ ہو اس سلسلے میں مولانا اصلاحی کی بصیرت افروز تحقیق۔ وہ فرماتے ہیں:

''غثاء أحوی'' کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے کالا کوڑا یا سیاہ خس و خاشاک کیا ہے۔ لیکن عربی میں لفظ ''غثاء'' تو بے شک جھاگ اور خس و خاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لیکن ''احوی'' ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شے میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوش نمو کے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔ یہ نباتات اور باغوں کی صفت کے طور پر بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور بلا استثناء ہر جگہ ان کی سرسبزی کی شدّت اور گھنے پن کو ظاہر کرنے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

پھر یہیں سے بطور استعارہ یہ کڑیل، صحت مند، گل تر کی صورت کھلے ہوئے جوانی کے لیے بھی استعمال ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کی صحت بہت اچھی اور ان کے بدن میں خون وافر ہو ان کے ہونٹوں پر سیاہی مائل سرخی نمایاں ہو جاتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ مشہور جاہلی شاعر تأبط شراً اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے:

مسبل في الحيّ أحوى رفلّ ☆ وإذا يغزو فليث أبلّ

(یوں قبیلے کے اندر تو وہ ایک خوش پوش، سرخ وسپید بانکا چھبیلا بنا رہتا ہے، لیکن جب میدان جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیستاں بن جاتا ہے۔)

لفظ "غثاء" اگرچہ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس وخاشاک کے لیے بھی آتا ہے، لیکن اس سبزہ کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔

استاذ امام فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مفردات القرآن میں اس کی تائید میں شعرائے جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ہم بقصد اختصار صرف قطامی کا ایک شعر، جو اس نے ایک وادی کی تعریف میں کہا ہے، پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

حلّوا بأخضر قدمالت سرارته ☆ من ذي غثاء على الاعراض أنضاد

(وہ ایک سرسبز وشاداب وادی میں اترے جس کے بیچ گھنے اور شاداب سبزے اس کے کناروں پر باہم دگر گتھم گتھا اور ایک دوسرے پر تہ بتہ گرے ہوئے تھے۔)

آیت زیر بحث میں چونکہ "غثاء" کی صفت "احوی" آئی ہے، اس وجہ سے لازماً یہ اس دوسرے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے۔ ورنہ صفت اور موصوف میں نہایت بھونڈی قسم کی بے ربطی پیدا ہو جائے گی، اس لیے کہ "احوی" جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس سیاہی کے لیے ہرگز نہیں آتا جو کسی چیز میں اس کی کہنگی، فرسودگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہاں موقع کلام بھی، جیسا کہ آگے وضاحت آ رہی ہے، اس مفہوم سے ابا کر رہا ہے۔

پس الذي أخرج المرعى فجعله غثاء أحوى کا صحیح مطلب یہ ہوگا، کہ اس خداوند کی تسبیح کرو جو نباتات کو زمین سے نازک سوئیوں کی شکل نکالتا ہے، پھر ان کو گھنی اور سیاہی مائل سرسبز وشاداب بناتا ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری مثال:

سورۂ مرسلات کی پہلی ہی آیت ہے: **والمرسلات عرفاً**۔

اس کا ترجمہ تمام اردو اور فارسی مترجمین اس طرح کرتے ہیں:

شیخ سعدیؒ	:	سوگند بفرستادہ شدگاں بہ نیکوئی۔
شاہ ولی اللہؒ	:	قسم بباد ہائے فرستادہ شدہ بوجہ نیک۔
شاہ رفیع الدینؒ	:	قسم ہے ان باؤں کی کہ چھوڑ دی گئی ہیں نرمی سے۔
شاہ عبدالقادرؒ	:	قسم ہے چلتی باؤں کی دل کو خوش آتی۔
مولانا تھانویؒ	:	قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔
مولانا محمود حسنؒ	:	قسم ہے چلتی ہواؤں کی دل کو خوش آتی۔
مولانا مودودیؒ	:	قسم ہے ان ہواؤں کی جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔
مولانا محمد جونا گڑھیؒ	:	دل خوش کن چلتی ہواؤں کی قسم۔

عربی تفاسیر میں اس آیت کی اسی طرح کی تشریحات ملتی ہیں، امام ابن جوزی فرماتے ہیں: **والمرسلات عرفا** کی تشریح میں چار اقوال ہیں:

۱- ہوائیں جو ایک دوسرے کے پیچھے چلتی ہیں۔

۲- ملائکہ جو معروف یعنی اللہ کے اوامر ونواہی کے ساتھ بھیجے گئے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا ارشاد "عــرفــا" تو اس کے سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ معروف کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ دوسرا قول ہے، وہ پے بہ پے آتے ہیں جیسے گھوڑے کی ایال۔

ابن قتیبہ کا قول ہے: فرشتے یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں، اس کام کے لیے جو ان کے ذمہ کیا جاتا ہے۔

۳- وہ رسول جو اپنے معجزات سے پہچانے جاتے ہیں۔

۴- فرشتے اور ہوائیں۔ "عــرفــا" کے معنی ہیں: بعض بعض کے پیچھے چلتے ہیں یا چلتی ہیں۔(۲۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی کی دیگر تفاسیر میں بھی "عرفا" کی اسی طرح کی تشریحات ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: تفسیر ابن کثیر، تفسیر البحر المحیط، تبصیر الرحمٰن، فی ظلال القرآن۔

"والمرسلات عرفا" کی تحقیق:

مولانا اصلاحی نے بھی والمرسلات عرفا کی تفسیر کی ہے۔ یہ تفسیر اوروں کی تفسیر سے مختلف ہے۔ انھوں نے "عرفا" کی جو تشریح کی ہے، اس کی کچھ اور ہی شان ہے۔ اس سے آیت کے مفہوم میں اتنا زور، اتنی معنویت اور اتنی دل کشی پیدا ہو جاتی ہے، کہ پھر اوروں کی تشریحات، جن کی تفصیل ابھی گزری ہے، وہ سب پھیکی پڑ جاتی ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

"مرسلات کے معنی چھوڑی ہوئی کے ہیں۔ یہ لفظ یہاں ہواؤں کے لیے استعمال ہوا ہے..... لفظ "عرف" گھوڑے کی ایال کے بالوں کے لیے آتا ہے، جو پیشانی پر لٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس معنی کے لیے یہ ایک معروف لفظ ہے۔ امرؤ القیس کا مشہور شعر ہے:

نمشّ بأعراف الجیاد أکفنا   إذا نحن قمنا عن شواء مضهب

(جب ہم شکار کا کچا پکا گوشت کھا کر اٹھتے تو گھوڑوں کی ایال میں اپنے ہاتھ پونچھ لیتے)

گھوڑوں کی ایال پکڑ کر ان کو روکا بھی جا سکتا ہے اور اس کو چھوڑ کر ان کو جولانی کے لیے چھوڑا بھی جا سکتا ہے۔ آیت میں ہواؤں کو گھوڑوں سے اور ان کے آزاد کرنے کو ان کی ایال چھوڑ دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور یہ تعبیر نہایت بلیغ ہے۔

اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہوائیں نہ خود کار ہیں نہ خود مختار، بلکہ ان کی پیشانی خدا کی مٹھی میں ہے۔ جب وہ چاہتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور جب چاہتا ہے چھوڑ دیتا ہے۔" ۲۶

مولانا اصلاحی کی یہ تحقیق انیق سامنے آجانے کے بعد ہم سمجھتے ہیں، دوسری تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تشریحات ہلکی نظر آتی ہیں۔ ''عرفا'' کے معنی پے در پے لینا اور یہ توجیہ کرنا کہ گھوڑے کے ایال کے بال ایک کے بعد ایک ہوتے ہیں، یا ''عرفا'' کو نفع پہنچانے، یا دل خوش کرنے کے معنی میں لینا، یہ سب باتیں تکلف سے خالی نہیں۔ کلام عرب میں ان معانی کے لیے کوئی نظیر ملنی مشکل ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ امام بقاعی، نظم الدرر فی تناسب الآی والسور، دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد، ۱۳۸۹/۱۹۶۹ء، ۴۶۶/۱

۲۔ مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۵ء، ۲۴۵-۲۴۴/۱

۳۔ حوالہ سابق

۴۔ علامہ علی مہائمی، تبصیر الرحمن و تیسیر المنان، عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ۸۶/۱

۵۔ حوالہ سابق، ۸۷/۱

۶۔ حوالہ سابق

۷۔ تدبر قرآن، ۵۵۴-۵۵۳/۱

۸۔ حوالہ سابق

۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی، ۱۹۸۹ء، ۲۴۴-۲۴۳/۱

۱۰۔ مولانا شبیر احمد عثمانی، القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیۃ، مجمع الملک فہد، المدنیۃ المنورۃ، ۱۴۰۹ھ، ص ۶۸

۱۱۔ امام جاراللہ زمخشری، الکشاف، دارالمعرفۃ، بیروت، بدون تاریخ، ۴۲۲/۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۲- امام ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر، دارالمعرفۃ، بیروت، ۱۹۸۰ء، ۱/ ۳۵۷
۱۳- امام شوکانی، فتح القدیر، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۳/ ۱۹۸۳، ۱/ ۳۳۱
۱۴- علامہ رشید رضا، تفسیر المنار، دارالمنار، مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۶۶ھ، ۳/ ۲۸۰
۱۵- مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۶، ۲/ ۶۸
۱۶- شاہ عبدالقادر دہلوی، موضح القرآن، مکتبہ ہدایت، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ص ۴۰- ۲۳۹
۱۷- مولانا شبیر احمد عثمانی، القرآن الکریم وترجمۃ معانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ العربیۃ، ص ۲۴۶
۱۸- تدبر قرآن، ۱/ ۶۳۸
۱۹- تدبر قرآن، ۳/ ۵۱۱-۵۱۲
۲۰- حوالہ سابق
۲۱- حوالہ سابق
۲۲- تدبر قرآن، ۳/ ۵۱۰-۵۱۲
۲۳- تدبر قرآن، ۳/ ۲۲۷
۲۴- مولانا امین احسن اصلاحی تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۸۸ء، ۹/ ۳۱۵-۳۱۶
۲۵- امام ابن جوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۶ء، ۸/ ۴۴۴
۲۶- تدبر قرآن، ۹/ ۱۳۱

(جاری)

© rasailojaraid.com